امانت داری

خُرّم مُرادؔ

منشورات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ قَدْ رَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ : حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَّفْعِ الْاَمَانَةِ فَقَالَ : يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَّلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰى رِجْلِهٖ "فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ فَلَا يَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلاً اَمِيْنًا ، حَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهُ مَا اَظْرَفَهُ مَا اَعْقَلَهُ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَّمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ : لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلٰى دِيْنِهٖ ، وَلَئِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا اَوْيَهُوْدِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلٰى سَاعِيْهِ وَاَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ اُبَايِعُ مِنْكُمْ اِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا" (متفق علیہ)

باسمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں بعض بری صفات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ ان میں سے بعض کو ایسے حرام قرار دیا ہے جیسے کھانے پینے اور معاملات میں بعض چیزیں حرام ہیں، مثلاً تکبر (اپنے آپ کو بڑا سمجھنا)، تحقیر (دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا)۔ اس سے آپؐ نے منع فرمایا اور اس کے مقابلے میں تواضع اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ اسی طرح دشمنی اور غصہ سے آپؐ نے روکا ہے اور لوگوں کے ساتھ خوش دلی اور فراخ دلی کے ساتھ معاملہ کرنے، معاف کرنے اور ان کے ساتھ محبت کرنے جیسی باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ پھر آپؐ نے زبان کے حوالے سے، جو بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور بے شمار بھلائیوں کی طرف بھی لے جاتی ہے، تاکید فرمائی ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ فرمایا کہ جہنم میں زیادہ تر لوگ اُسی فصل کے ذریعے جائیں گے جو انھوں نے زبان کے ذریعے بوئی ہے۔ غیبت، دوسروں کا مذاق اڑانا، ذلیل کرنا، برا بھلا کہنا اور جھوٹ بولنا، ان سب سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اور سچائی کا راستہ اختیار کرنے، مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے اور جہاں مسلمانوں کی بے عزتی ہو رہی ہو، وہاں ان کی حفاظت

کرنے اور زبان کو بھلائی کی باتوں کے لیے کھولنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں (انسانوں) کے درمیان بلکہ مسلمانوں (انسانوں) اور خدا کے درمیان بھی معاملات کو صحیح رخ پر رکھنا بہت اہم ہے۔ اس میں ایک صفت امانت ہے۔ امانت کا لفظ ہماری زبان میں معروف ہے اور ہم اس کا ترجمہ امانت داری بھی کرتے ہیں اور ایمان داری بھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لین دین ہو، جو ذمہ داری سونپی جائے، جو دوسروں سے معاہدے کیے ہوں، جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہوں' ان سب میں ہم خیانت کے بجائے، امانت کی اور ایمان داری کی روش اختیار کریں۔ اسی بارے میں یہ حدیث ہے جو حضرت حذیفہؓ ابن یمان سے مروی ہے۔ حضرت حذیفہؓ نبی کریمؐ کے بڑے اعلیٰ پائے کے صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ حضورؐ نے ان منافقین کے نام حضرت حذیفہؓ کو بتائے تھے جو مدینہ میں رہتے تھے اور لوگوں پر ظاہر نہیں تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ : حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ

اللہ کے رسول نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک بات کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دوسری بات کا میں انتظار کر رہا ہوں۔ پہلی بات یہ تھی: امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتاری گئی۔ پھر انھوں نے قرآن سے سیکھا' انھوں نے سنت سے سیکھا۔

پھر فرمایا: یہ امانت کس طرح اٹھالی جاتی ہے۔ یَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ آدمی پھر نیند لیتا ہے اور امانت اس کے دل سے قبض کر لی جاتی ہے اور اس کا اتنا سا اثر رہ جاتا ہے جیسے کوئی بہت ہلکا سا دھبہ ہو۔ پھر وہ ایک نیند لیتا ہے۔

پھراس سے امانت قبض کر لی جاتی ہے تو پھر وہ اتنی ہی باقی رہ جاتی ہے جتنا کوئی چھالا۔ جیسے آدمی کو کوئی چنگاری لگے اور چھالا پڑ جائے' امانت اس چھالے کی طرح ایک داغ کی صورت میں رہتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انگارہ آدمی کے پاؤں کو چھولے اوراس سے چھالا پڑ جائے۔ تم بظاہر اس چھالے کو ابھرا ہوا دیکھتے ہو لیکن اس چھالے کے اندر سوائے پانی کے کچھ نہیں ہوتا۔

فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ فَلَا يَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ پھرلوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں۔ اوران میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جو امانت داری برت رہا ہو اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کہا جاتا ہے اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلٌ اَمِيْنٌ ۔فلاں قوم میں ایک امانت دار آدمی ہے، یعنی امانت داری کا چلن عام نہیں ہوتا بلکہ وہ اتنی نایاب ہوجاتی ہے کہ لوگ اس آدمی کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں شخص امانت دار ہے۔ گویا امانت دار ہونا ایک قابل تعجب اور قابل ذکر چیز بن جاتی ہے۔

يُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ مَا اَظْرَفَهٗ مَا اَعْقَلَهٗ

ایک آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بڑا عقلمند آدمی ہے اور بڑا خوشگوار آدمی ہے۔ اخلاق کا بڑا اچھا اور بڑا بہادر آدمی ہے۔ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ حالانکہ اس کے دل میں ایک دانے کے وزن کے برابر بھی ایمان داری نہیں ہوتی۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں، نبی کریمؐ کے ارشاد کے بعد:

وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَّمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ ایک زمانہ مجھ پر ایسا بھی رہا ہے کہ مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ میں تم میں سے کس کے ساتھ لین دین کروں۔ لَئِنْ كَانَ مُسْلِماً لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى دِيْنِهٖ. اگر مسلمان ہوتا تھا تو اس کا اسلام اس بات کے لیے کافی ضمانت ہوتا تھا کہ اس پر آدمی انحصار کرلے کہ یہ آدمی امانتدار ہے،

اس سے بلا کھٹکے معاملہ طے کیا جا سکتا ہے۔ وَاِن کَانَ نَصْرَانِیًّا لَیَرُدَّنَّهُ عَلٰی سَاعِیْهِ، اور اگر وہ غیر مسلم، یعنی عیسائی ہوتا تھا تو پھر بھروسہ حکومت پر کیا جا سکتا تھا کہ وہ انصاف کا معاملہ کریں گے۔ آج تو معاملہ یہ ہے، فَمَا کُنْتُ اُبَایِعُ اِلَّا فُلَانًا وفُلَانًا کہ میں اس آدمی کے ساتھ نامزد کر کے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ان سے لین دین کا معاملہ ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ میں لین دین کا معاملہ نہیں کر سکتا۔ حضرت حذیفہؓ کا زمانہ عہد نبوت سے ۳۰، ۳۵ سال بعد کا زمانہ ہے۔

یہ حدیث امانت کے موضوع پر ہے اور امانت کے موضوع پر قرآن و حدیث میں بے شمار تعلیمات آئی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ ۔ ''کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ نبی کریمؐ نے کوئی خطبہ دیا ہو اور آپؐ نے خطبے کے اندر یہ نہ فرمایا ہو کہ جس آدمی کے پاس امانت داری نہیں ہے اس کے پاس ایمان نہیں ہے اور جس آدمی کو اپنے وعدے کا پاس نہیں ہے اس کا کوئی دین نہیں۔ جو آدمی اپنی زبان کا لحاظ نہ رکھتا ہو، وعدے کر کے پورے نہ کرتا ہو وہ ایمان سے بھی محروم رہ جاتا ہے''۔

حضورؐ کے تقریباً ہر خطبے میں ایمان اور امانت، لازم و ملزوم ہیں۔ امانت داری نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ پابندی عہد نہیں تو دین نہیں ہے۔ امانت داری کے بارے میں اس حدیث سے ایک آگاہی ملتی ہے۔ قرآن مجید نے بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر بار بار کیا ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳: ۸)۔ یہ وہ مومن ہیں جو اپنی امانتوں پر اور اپنے عہد اور وعدے پر نگرانی کرتے ہیں۔ اپنی امانت کا لحاظ رکھتے ہیں' اس کو پورا کرتے ہیں۔ اپنی زبان کا پاس کرتے ہیں۔ یہی فلاح پانے والے ہیں۔ سورہ مومنون میں بھی اس کا

ذکر ہے اور سورۃ المعارج میں بھی انہی آیات کو دہرایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امانت دراصل دین کی بنیاد ہے۔

عربی زبان میں الفاظ کچھ حروف سے بنتے ہیں۔ عربی زبان میں تین یا چار حروف کا ایک مادہ ہوتا ہے اور الفاظ ان ہی تین حروف سے بنتے ہیں۔ ان کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، مثلاً علم کا لفظ ہے۔ اسی سے معلوم، علم، معلم، تعلیم وغیرہ بنتے جائیں گے۔ ایمان، امانت اور امن تینوں دراصل ایک ہی مادے سے بنے ہیں۔ ا،م، ن ایمان اور امانت کا مادہ ہیں، یعنی ان کی جڑ ایک ہی ہے۔ اس کے معنی کسی چیز پر آدمی کا مطمئن ہو جانا ہے۔ اسی سے لفظ ایمان نکلا ہے۔ ایمان کے ساتھ اگر باءؔ بہ آئے جیسے آمنتُ باللّٰہِ ، میں اللہ پر ایمان لایا ہوں تو اس کے معنی ہیں کہ میں اس معاہدے پر مطمئن ہوں۔ اگر ایمان کا لفظ ل کے ساتھ آئے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں، کسی کی بات کو سچا جاننا۔ نبی کی بات کو سچا جان کے اس پر ایمان، اعتماد اور بھروسا کرنے کے بعد ہی ایمان کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ امانت کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے۔ یہ انہی معنوں میں استعمال ہونے لگا کہ ذمہ داری کو آپ نے قبول کرلیا، اطمینان نفس کے ساتھ اس کو ادا کیا، تو یہ امانت داری ہے۔ ایمان اور امانت کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب امانت اٹھائی جاتی ہے تو پھر ایمان بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ امانت کے غائب ہونے کا طریقہ کیا ہے اور اس کے آنے کا طریقہ کیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ایک بار تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح امانت دلوں میں اتاری گئی اور دوسری بات، جس کا مجھے انتظار ہے وہ یہ ہے کہ امانت کس طرح غائب ہو جائے گی۔ لوگوں کی تعریف ان کے ظاہری اعمال پر کی جائے گی کہ یہ

لباس کیسا پہنتے ہیں، ان کا مکان کیسا ہے، ان کے پاس مال کتنا ہے، عقلمند کیسے ہیں، دنیا کیسے کماتے ہیں، سیاست کیسے کرتے ہیں وغیرہ لیکن یہ کہ ان کے دلوں کے اندر امانت داری تو کیا ایمان کا ذرہ برابر شائبہ بھی نہیں ہوگا۔ ایک دانے کے برابر بھی یہ چیز نہیں پائی جائے گی۔ ان کا یہ قول ہے کہ میں دوسری چیز کا منتظر ہوں، یعنی ابھی میں نے امانت داری کے رخصت ہوجانے کی یہ کیفیت نہیں دیکھی کہ خال خال ایسے لوگ نظر آئیں جن کے ساتھ آدمی امانت داری کے ساتھ معاملہ کرسکتا ہو۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: اَنَّ الْاَمَانَۃَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ یعنی امانت اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ یہ احساس کہ ذمہ داری کو ادا کرنا ہے، جو حق دینا ہے وہ دیا جانا چاہیے اور دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ لباس نہیں ہے جو اوپر سے اوڑھ لے۔ جذر کسی چیز کی جڑ کو کہتے ہیں۔ دلوں کی جڑ میں امانت اتاری گئی۔ اس میں کافر اور مومن کی بھی کوئی شرط نہیں۔ عام انسانی صفت ہے۔ جس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی سے نوازا ہے' اس کے اندر امانت داری کا احساس پیدا کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا کا مشترک ورثہ ہے۔ آدمی کافر ہو یا مومن یا مشرک، یہ سب انسانوں کی مسلمہ چیز ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز آدمی کے دل اور اس کی فطرت میں اتری ہوئی ہے۔ اسلام کی پوری تعلیم اس بات پر مبنی ہے کہ اسلام کی جو بھی تعلیمات ہیں وہ کوئی باہر سے سکھائی ہوئی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو آدمی پہلے سے جانتا اور پہچانتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے نیکی کے لیے معروف کا لفظ استعمال کیا ہے۔ معروف کے معنی ہیں وہ چیز جو آدمی جانتا، پہچانتا ہو، اس کے لیے اجنبی نہ ہو۔ برائی کے لیے دین نے منکر کا لفظ استعمال کیا اور منکر کے معنی وہ افعال ہیں جو آدمی کے لیے اجنبی ہوں۔ آدمی کی فطرت خود جانتی ہے کہ وعدہ پورا کرنا، سچ بولنا، امانت داری، یہ نیکیاں

معاشرے کے اندر اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ اچھی صفات ہیں۔ آدمی کے دل کے اندر یہ تمام اچھائیاں ہونی چاہییں۔ یہ آدمی کے دل کے اندر پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے۔

پھر انھوں نے قرآن سے یہ سیکھا کہ امانت کیا ہوتی ہے۔ قرآن نے اس کی تفسیر وتشریح بیان کی۔ اس کو کھول کے بیان کر دیا۔ قرآن ہی نہیں، نبی کریمؐ کی سنت سے بھی لوگوں نے سیکھا۔ اس طرح امانت کی تعلیم مکمل ہوگئی۔ امانت کے ساتھ مکمل شناسائی ہوگئی۔ لوگوں نے پہچان لیا کہ امانت کے معنی کیا ہیں اور امانت کی تعلیم کیا ہے؟ امانت کے معنی ہیں کہ جو حق آدمی پر آتا ہے، اس حق کو وہ ادا کرے اور جو چیز دوسرے کی ہو، اس کو دوسرے ہی کی سمجھے، اپنی نہ سمجھ لے۔ جو چیزیں بھی اس کے استعمال میں آئیں، ان کو ان کی حدود کے اندر استعمال کرے۔

قرآن وحدیث نے اس مضمون کو کھول کے بیان کیا ہے۔ قرآن مجید نے امانت کو سب سے پہلے اس مفہوم میں استعمال کیا ہے کہ اللہ نے جو شریعت دی ہے وہ ایک امانت ہے۔ شریعت دراصل اس بات پر قائم ہے کہ اللہ نے انسان کو عمل کی آزادی دی ہے۔ وہ چاہے تو بُرائی کرے، چاہے تو بھلائی کرے۔ یہ اختیار اور آزادی صرف انسان کے لیے ہے۔ چاند، سورج، درخت، پہاڑ، فرشتے، ان سب کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ نیکی کے معنی یہ ہیں کہ بدی کرنے کا بھی امکان ہے۔ ساری شریعت اختیار پر ہی قائم ہے۔ شریعت انسان سے صرف وہی مطالبہ کرتی ہے جس کے کرنے کا اسے اختیار ہو۔ جس کا اختیار نہیں اس کے لیے وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اگر آدمی منہ سے مجبوراً کفر کا کلمہ نکالے تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر زبردستی اس سے زنا بھی کرالیا جائے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں۔ آدمی جبراً کروائے جانے والے کاموں کا

جواب دہ نہیں ہے۔

انسان کو عمل کی جو ذمہ داری دی گئی ہے اس کے لیے امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فرمایا: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳: ۷۲-۷۳) ''بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے تا کہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اعمال اور شریعت کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرا، یہ سب فطرت کے لگے بندھے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ کوئی پتا بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ البتہ انسان نیک اور بد دونوں عمل کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ بہت بڑے اجر، یعنی جنت کا اور بہت بڑی سزا، یعنی جہنّم کا مستحق ٹھہرا جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

ایمان دراصل ایک خرید و فروخت کا معاہدہ ہے۔ عموماً امانت داری کا لفظ بولتے ہیں تو دنیا میں لین دین کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے کہ آدمی خرید و فروخت کرے۔ اللہ نے کہا کہ ایمان تو خود خرید و فروخت کا معاملہ ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبة ۹: ۱۱۱) ''بے شک اللہ نے مومنین سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔'' اللہ کے بندے نے اپنا سب

کچھ اللہ کی راہ میں اس کے ہاتھ بیچ دیا۔ جو آدمی امانت دار نہیں، وہ ایمان کو پورا نہیں کرسکتا۔

یہاں نبیؐ کی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص اپنی امانت کا احساس نہیں رکھتا وہ ایمان کے تقاضے بھی پورے نہیں کرسکتا۔ ایمان لانے کے بعد جان، مال، مرضی سب اللہ کا ہو چکا۔ امانت داری کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو صفات' صلاحیتیں' استعداد' عقل' جسم ملے ہیں یہ سب کی سب اللہ کی طرف سے امانت ہیں۔ امانت اور ایمان یہ ہے کہ آدمی اس امانت کا حق ادا کرے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن سے اور رسولؐ نے اپنی سنت سے سکھائی ہے۔ عَلِمه مِنَ القُران ثُم عَلم مِنَ السُّنة.

اس بات کو جاننا ہر انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ نبی کریمؐ نے ہر طرح لین دین کو، انسانوں کے درمیان جو بھی معاملہ ہو، مثلاً گفتگو، شادی بیاہ، گھریلو معاملات، تجارت وغیرہ سب کو امانت کی بنیاد پر قائم فرمایا ہے۔

دو آدمیوں کی مجلس میں جو بات ہوتی ہے تو وہ مجلس میں امانت ہے۔ گفتگو بھی امانت ہے۔ اگر کوئی آدمی اس کو بے وجہ نقل کرتا ہے تو وہ گناہ بھی کرتا ہے۔ اَلمَجالِس بِالاَمَانَةِ. سب مجلسیں امانت ہیں۔ کسی نے کان میں جو بات بتائی، وہ امانت ہے۔ اس کو کسی سے کہہ دینا، بددیانتی ہے۔ جس سے مشورہ لیا جائے تو وہ بھی امانت اس کے سپرد کی گئی۔ بہت بڑے بڑے معاملات جو طے ہوں وہ سب امانت ہیں۔ امانت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو کچھ کہتا نہ پھرے۔ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے عورتوں کے بارے میں خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ عورتوں کا خیال رکھنا۔ تم نے ان کو اللہ سے عہد کرکے اور امانت کے طور پر اپنے گھروں کے اندر اپنی بیوی بنایا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت ہے۔ جن کو

زیردست کر دیا ہے' ان کے حقوق کو ادا کرنا بھی اللہ کی طرف سے امانت ہے۔نوکری کے اندر نوکری کا حق ادا کرنا امانت ہے۔کسی سے معاہدہ کر کے ملازم رکھ کر اس سے وقت یا کام کے لحاظ سے زیادہ کام لینا بھی اس کے منافی ہے۔

یہ ساری باتیں فقہا اور علما نے کھول کھول کر بیان کی ہیں۔کوئی آدمی کسی چیز کو آپ کی ذمہ داری میں دے جاتا ہے' یہ بھی امانت ہے۔کوئی بات' شخص یا انسان ہو' اس کا حق ادا کرنا بھی امانت داری ہے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: کہ امانت دل کی جڑوں کے اندر ہے۔اور قرآن نے کہا کہ:اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا(النساء ۴:۵۸) 'یعنی اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل افراد کے سپرد کر دو۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ امانت دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہے۔احساس بھی اٹھ جاتا ہے۔ایمان داری کا عمل بھی غائب ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ، آدمی نیند لیتا ہے اور امانت غائب ہو جاتی ہے۔اس کے معنی یہ نہیں کہ سوتے ہوئے غائب ہو جاتی ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح آدمی پلک جھپکتے بے ایمانی کرتا ہے، وہی بے ایمانی طبیعت پر غالب آ جاتی ہے۔سونے کی صرف تشبیہ ہے یعنی سونے میں اسے پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ ایسے کام کر جاتا ہے جس سے امانت ختم ہو جاتی ہے۔بظاہر تو امانت کی بڑی باتیں ہوتی ہیں، حلف اور قسمیں اٹھائی جاتی ہیں لیکن جب امانت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی مثال ایک چھالے اور آبلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ہاتھ پر جس طرح انگارے سے چھالہ پڑتا ہے کہ اوپر کھال ہوتی ہے، ذرا انگلی لگے تو پھوٹ جاتا ہے، اندر پانی ہوتا ہے، کوئی اس کی حقیقت نہیں ہوتی۔گویا امانت داری اتنی مفقود ہو جاتی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بس دو چار آدمی ایمان دار رہ گئے ہیں۔ان لوگوں کی خوب تعریف ہوتی ہے جن کے دل میں رائی برابر بھی

ایمان نہیں ہوتا۔ فلاں آدمی بڑا ہوشیار ہے، بڑا کامیاب بزنس مین ہے، بڑا چالاک سیاست دان ہے، بڑا عقل مند ہے، اچھے اخلاق والا ہے، مسکرا کے ملتا ہے لیکن اس آدمی کا حال یہ ہے کہ اس کے اندر امانت داری نہیں ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تو ایسا تھا جس سے چاہا بلا دھڑک معاملہ کرلیا کہ یہ آدمی مسلمان ہے تو اس کے اسلام پر اعتماد ہے۔ غیر مسلم ہے تو نظام پر اعتماد ہے۔ اگر یہ بے ایمانی کرے گا تو قانون اس کا مداوا کرے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اب میں دیکھ کر ہی معاملہ کرسکتا ہوں، آنکھیں بند کیے ہوئے معاملہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ امانت اٹھنا شروع ہوگئی ہے۔ اگر آدمی پرکھا ہوا نہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ہو تو یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ آدمی اپنی بات پر پورا نہیں اترے گا۔ کوئی قرض مانگنے آتا ہے تو مجھے بھی پہلا شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ واپس نہیں کرے گا۔ ہر کسی کے بارے میں یہی شبہ دل میں آتا ہے۔

حدیث میں جو بات کہی گئی ہے' یہ ہماری زندگی کے معاملات کی بنیاد ہے۔ حضورؐ نے اس کی دوسری جگہ بڑی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا: ''جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان نہیں''

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آکر آپؐ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ حضورؐ اس وقت کوئی بات کر رہے تھے۔ آپؐ نے سوال سن لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ کچھ لوگوں نے کھسر پھسر شروع کی۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید آپؐ نے بات سنی نہیں۔ کسی نے کہا کہ شاید آپؐ نے اس کو اس لائق نہیں سمجھا کہ اس کا جواب دیں۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے اپنی بات ختم کی تو کہا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس نے یہ سوال کیا۔ وہ آدمی کھڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت آئے گی جب امانتیں ضائع کر دی

جائیں گی''۔

اُس زمانے میں لوگ سب باتیں پوچھا کرتے تھے۔ سوال کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے۔ اس آدمی نے پوچھا' حضورؐ امانت ضائع ہونے کے کیا معنی ہیں؟' آپؐ نے فرمایا: امانت کا ضائع ہونا یہ ہے کہ معاملات کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا جائے جو اس کے اہل نہیں۔ دولت ان کے پاس ہو، جو اس کے برتنے کے اہل نہیں۔ علم ان کے پاس ہو، جو علم کے مطابق کام کرنے کے اہل نہیں۔ سیاست ان کے پاس ہو' جو اس کے مطابق حکومت کرنے کے اہل نہ ہوں۔ معاملات ان کے ہاتھ میں ہوں' جو معاملات کو چلانے کے اہل نہیں۔ تعلیم کا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہو' جو تعلیم کا حق ادا کرنے کے اہل نہ ہوں۔ جب معاملات دین اور دنیا ان کے سپرد کیے جائیں جو اس کے اہل نہ ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ امانت ضائع ہوگئی۔ جب امانت ضائع ہو جائے تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے روز سب لوگ جمع ہو جائیں گے تو مختلف پیغمبروں کے پاس جا کر شفاعت کی درخواست کریں گے۔ پھر رسولؐ اللہ کے پاس آئیں گے۔ حضور اکرمؐ کو اجازت دی جائے گی کہ آپ کھڑے ہو کر بات کریں۔ جب حضورؐ کھڑے ہو جائیں گے تو جنت کے راستے پر دو چیزیں کھڑی ہو جائیں گی۔ ایک رحم اور دوسری امانت داری۔ رحم کے معنی قرابت داری کو نبھانا ہے۔ اس کے بعد کوئی بجلی کی تیزی سے اور کوئی ہوا کی تیزی سے گذر جائے گا، کوئی چلتا ہوا جائے گا اور کوئی لڑکھڑاتا ہوا جائے گا۔ ان سب کو جو چیزیں روکنے والی ہوں گی' وہ امانت اور صلہ رحمی ہوگی۔ بعض لوگوں کو ان کے اعمال عاجز کر دیں گے، وہ چل نہیں سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز جنت کے راستے پر سب سے زیادہ معاون بھی ہوگی اور رکاوٹ بھی بن سکتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ صرف نماز رہ جائے گی، امانت

رخصت ہو جائے گی۔ یہ میری امت کی گراوٹ اور زوال کا وقت ہوگا۔ اصل چیز تو امانت داری ہے: اللہ نے جو جسم دیا ہے، جو صلاحیت دی ہے، اس کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنا۔

حضورؐ کی نبوت کی ایک ہی سب سے بڑی سند ہے اور وہ یہ کہ آپؐ امین تھے۔ جبرئیلؑ نے قرآن کو بالکل ویسا ہی اللہ کے حکم کے مطابق اتارا تو اللہ نے امین کا لفظ استعمال کیا۔ رسول امین (امانت دار لانے والے تھے، امانت دار پہنچانے والے تھے)۔ امانت کے بغیر تو قومی زندگی، خاندانی زندگی کوئی بھی صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتی۔

جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے اس کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

"امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری۔ پھر قرآن مجید نازل ہوا۔ پس لوگوں نے امانت کو قرآن مجید اور سنت سے پہچان لیا"۔ پھر آپؐ نے ہمیں امانت کے اٹھ جانے کے متعلق بیان فرمایا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے قبض کر لی جائے گی۔ پھر اس کا اثر ایک معمولی نشان کی طرح باقی رہ جائے گا۔ پھر وہ سوئے گا اور امانت اس کے دل سے اٹھا لی جائے گی۔ پس اس کا اثر آبلے کی طرح باقی رہ جائے گا۔ جیسے تم ایک انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکاؤ تو اس پر آبلہ نمودار ہو جائے۔ پس تم اسے ابھرا ہوا تو دیکھتے ہو مگر اس

میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپؐ نے ایک کنکری لی اور اسے پاؤں پر لڑھکایا۔ پس لوگ اس طرح ہو جائیں گے کہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہوں گے مگر ان میں کوئی امانت ادا کرنے کے قریب بھی نہ پھٹکے گا۔ یہاں تک کہا جائے گا کہ فلاں لوگوں میں ایک امانت دار آدمی ہے۔ یہاں تک آدمی کو کہا جائے گا کہ یہ کتنا مضبوط، ہوشیار اور عقل مند ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا کہ میں پرواہ نہ کرتا تھا کہ مجھ سے کس نے خرید و فروخت کی بشرطیکہ وہ مسلمان ہوتا۔ اس لیے کہ اس کا دین مجھ پر میری چیز کو ضرور واپس کر دے گا اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوتا تو اس کا کارندہ مجھ پر میری چیز کو ضرور واپس کر دے گا۔ مگر آج کل تو میں صرف فلاں فلاں سے ہی خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)

○○○